

# قَطُّ الرِّجَالِ

مفتی منیب الرحمن

ہمارے ہاں اسکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک تعلیمی اداروں کی بہتات ہے، تعلیم و امتحان کے درجنوں نظام رائج ہیں، ہمارے لبرل عناصر تو دینی مدارس و جامعات کی کثرت پر ہمیشہ شاکی رہتے ہیں۔ لیکن ہم سیاسی اور مذہبی دونوں میدانوں میں قیادت کے حوالے سے نقطہ اوج چال کا شمار ہیں۔ ایک بار پہلے بھی میں نے لکھا تھا کہ ہمیں مذہب، صاحبِ فراست اور دور اندیش قائد کی ضرورت ہے، سیاسی و مذہبی رہنماؤں کا تو ایک لکھنؤ جزا رہے۔ علامہ اقبال نے اسی لیے سیاست دوراں سے مانعیں ہو کر کہا تھا:

پرانی سیاست گری خوار ہے زمن میر و سلطان سے جزا رہے  
علامہ اقبال نے مومن کامل کی چار خصوصیات کو منظم کیا تھا:

ہر لفظ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان  
قبہاری و فطاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

علامہ اقبال امت کی قیادت کو امامت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ درست ہے، کیونکہ امامت مامارت اور خلافت یہ سب اسلامی اصطلاحات ہیں اور ان مناصب کے حامل کو اعلیٰ درجے کی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔ چار خصوصیات ہمیں قرآن کریم سے ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(حضرت یوسف علیہ السلام نے) کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو، بے شک میں حفیظِ ولیم ہوں، (یوسف 12)"۔ (شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں میں سے) ایک نے کہا: "اے ابا جان! آپ ان (موئی علیہ السلام) کو اجرت پر رکھ لیجئے، بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں، ان میں سے بہتر وہی ہے جو قوی اور امین ہو، (قصص 26)"۔ ان دو آیات کو بھی ملا کر دیکھیں تو منصب کی تفویض کے لیے چار خصوصیات مطلوب ہیں: "حفیظ، ولیم، قوی اور امین"۔ اسی طرح علامہ اقبال کی پیش کردہ خصوصیات میں قہاریت و جبروت، قوت و طاقت کا منسلک، فطاریت، علم و برداشت اور قدوسیّت اور عمل کی پاکیزگی اور گفتار و کردار میں صدق و دیانت کا تقاضا کرتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: "حضرت ابوذر نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے حامل کیوں نہیں بنادیتے؟" وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ منصب امامت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہو سکتا ہے، سوائے اس شخص کے جو اس کے حق کو ادا کرے اور اس سلسلے میں اپنے اوپر عائد ذمے داریوں سے عہد برآ ہو، (صحیح مسلم 1457)"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن میرے نزدیک سب لوگوں سے محبوب اور قریب ترین مقام پر عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ و شہید ترین مذاہب میں جہنما اور سب سے دور مقام پر ظالم حاکم ہوگا، (ترمذی: 1329)"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے بہترین حاکم وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، وہ تمہارے لیے

دعا کریں اور تم اُن کے لیے دعا کرو اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں کہ تم اُن سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم اُن پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں، (صحیح مسلم: 1855)۔ علامہ اقبال نے امامت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے  
فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے  
علامہ اقبال نے خودی اور خودداری یعنی دینی اور ملیّ حمت کو بھی مسلمان کا اثاثہ قرار دیا ہے اور قیادت کے منصب پر فائز شخصیت کو اس کا سب سے بڑا مظہر ہونا چاہیے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قائد کی وسعت نظر (Vision) عالمی اور ملک و ملت کے مسائل پر محیط ہونی چاہیے۔ جناب عمران خان کے فدائی اور جاں نثار اگر ناراض نہ ہوں تو گزشتہ دو سال پر محیط اُن کی تقاریر کا موضوع خالص شخصی اور نہایت محدود رہا۔ ہر تقریر، پولیٹیکل ٹاک اور انٹرویو میں وہ کرکٹ ورلڈ کپ اور شوکت خانم ہسپتال کا حوالہ دینا ضروری سمجھتے ہیں، یہ باتیں لوگوں کو ازبر ہیں اور انسانی خدمت کے کاموں کی اپنی ذات کے حوالے سے اتنی تشہیر مناسب نہیں ہے۔

دنیا کی بات تو الگ ہے، قیام پاکستان سے پہلے بھی ہمارے خطے میں خیراتی اور رفاہی اسپتال تھے جو لوگوں نے ذاتی سرمائے سے قائم کیے تھے جیسے نگارام ہسپتال، اوجھاسینی ٹوریم، اسپنر آئی ہسپتال اور گلاب دیوی اور وغیرہ۔ اب بھی کراچی میں سندھ انسٹی ٹیوٹ آف یورولوجی اینڈ ٹرانسپلانٹیشن (SIUT)، انڈس ہسپتال، ایل آر بی ٹی آئی ہسپتال سو فیصد مفت اور انتہائی معیاری علاج کی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں۔ ایس آئی یو ٹی نہ صرف نادار مریضوں کا مفت علاج کرتا ہے، بلکہ ڈائلیسز کے علاوہ گردوں کی منتقلی کے آپریشن کے بعد مریضوں کو تاحیات مفت دوائیں اور فالو اپ علاج کی سہولتیں بھی فراہم کرتا ہے۔ ان اسپتالوں کا ماحول صاف ستھرا اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی اور اُن کا عملہ انتہائی اخلاص کے ساتھ اپنی صلاحیتیں انسانی خدمت کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں، جدید ترین طبی آلات اور مشینری موجود ہے۔ اس میں کینسر کے مریضوں کے لیے Anchology کا شعبہ بھی قائم ہے، جو مریضوں کا مفت علاج کرتا ہے، ڈاکٹر نجیب نعمت اللہ اس کے انچارج ہیں۔ SIUT کا سالانہ میزانیہ چار ارب سے زائد ہے، اس میں ایک ارب ہر سال نئے طبی آلات کے لئے ہوتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی اور ان کی ٹیم کے اخلاص و دیانت پر لوگوں کے اعتماد کا مظہر ہے۔ انڈس ہسپتال کراچی کے صنعتکاروں نے قائم کیا ہے اور اُن کا دعویٰ ہے کہ ہم آغا خان یونیورسٹی ہسپتال کے معیار پر یا اُس سے بہتر ہیں۔ اس ہسپتال میں اوپن ہارٹ سرجری سمیت، آرتھو پیڈک، جزل سرجری، یورالوجی، گائنی، بچوں کے کینسر کا پاکستان میں سب سے بڑا شعبہ اور دیگر شعبہ جات میں مکمل مفت علاج ہوتا ہے، ادائیگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان کا سارا نظام کمپیوٹرائزڈ ہے اور آن لائن اپوائنٹمنٹ کی سہولت دستیاب ہے۔ جناب عمران خان کو ایس آئی یو ٹی اور انڈس ہسپتال کا دورہ ضرور کرنا چاہیے۔ اپنی ذات میں گن رہنا اچھی بات ہے، لیکن باہر کی دنیا کو بھی دیکھنے میں حرج نہیں ہے۔

جو لوگ اقوام اور ممالک کی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں، وہ ایک ایک لفظ خوب سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر بولتے ہیں، کیونکہ: ”جن کے رتبے ہیں سوا، اُن کو سوا مشکل ہے“، لوگ انہیں رول ماڈل سمجھتے ہیں، اُن سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، لیکن اس محبت کو نفرت میں تبدیل ہونے میں دیر بھی نہیں لگتی۔ موجودہ سیاسی قائدین میں اس معیار پر کون ہے کہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے تشبیہ دینے کا سزاوار ہو، انہیں اپنی نفس کی تسکین اور نمود کے لیے کوئی اور مثالیہ (Ideal) تلاش کرنے چاہئیں۔ ہمارے ہاں لوگ بے عمل ضرور ہیں، لیکن مذہب کے بارے میں انتہائی جذباتی بھی ہیں۔ اسی طرح ہمارے رہنماؤں کو



یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شہادت ایک اسلامی منصب ہے، لہذا شہید کہلانے اور دعائے مغفرت کے لیے صاحب ایمان ہونا شرط لازم ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کی طرح غیر مسلم شہری کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور وہ یقیناً اس کے لیے جواب دہ ہے۔

قیادت کا فکری افلاس مذہبی سیاسی جماعتوں میں بھی موجود ہے۔ جماعت اسلامی کا نظم بلاشبہ قابل افتخار ہے، لیکن اب اس میں بھی اہل فکر و نظر کا شدید قحط ہے، پروفیسر خورشید احمد ضعیف اور علیل ہیں۔ اس کا اظہار ان کے امیر کے وژن اور طرز سیاست سے بخوبی ہو جاتا ہے، انہیں اس امر کا ادراک ہونا چاہیے کہ اب وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم نہیں رہے، بلکہ جماعت اسلامی کے امیر بن چکے ہیں، جوش بجا، لیکن ہوش کا دامن بھی چھوڑنا چاہیے۔ پس مذہبی سیاسی جماعت کی قیادت ایک انتہائی ذمہ دارانہ منصب ہے، یہی حال ہمارے وطن کی دوسری مذہبی سیاسی جماعتوں کا ہے۔ اہل سنت میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی ذی علم، بے داغ، بیدار مغز، اولوالعزم اور غیور و بخور اور بالغ نظر قیادت موجود نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ ملکی سیاست میں اہل سنت کا کردار مؤثر طور پر نظر نہیں آ رہا۔ ماضی قریب میں جنرل (ر) پرویز مشرف اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے تھے، لیکن وہ عزیمت و استقامت سے محروم تھے، انہوں نے امریکا کے آگے غیر مشروط طور پر سر تسلیم خم کیا، جہاد کشمیر کی بساط لپیٹی اور کارگل کی رسوا کن مہم جوئی کی اور اپنے اقتدار کے دوام کے لئے پاکستان پیپلز پارٹی کے کٹن سے پیٹریاٹ کو جنم دیا اور پھر اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے محترمہ بے نظیر بھٹو مرحومہ کے ساتھ این آراؤ کر کے اپنی رہی سہی اخلاقی ساکھ بھی تباہ کر دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے بڑے مسائل میں کرپشن کا ناسور اور دہشت گردی ہے۔ اس لیے ہم بار بار متوجہ کر رہے ہیں کہ احتساب کے لیے ایک جامع قانون سازی کے ذریعے بااختیار نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے، احتساب کے ادارے کو سپریم کورٹ آف پاکستان سے بھی منسلک کیا جاسکتا ہے تاکہ اس میں سیاسی اور انتظامی عمل دخل ختم ہو جائے اور اعلیٰ عدلیہ کی طرح ہر ادارہ اس سے تعاون کا پابند ہو۔ جامع قانون سازی کے بغیر ناک ٹوئیاں مارنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ آج نیب کسی کے اثاثوں کی چھان بین کرتی ہے، تو آج کی قیمت لگا کر ایک دہشت کی فضا قائم کرتی ہے، ہونا یہ چاہیے کہ جب یہ اثاثے خریدے گئے ہوں یا اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے رقم جمع کی گئی ہو، اس وقت کی قیمت لگا کر اس کے اس وقت کے ذرائع آمدنی سے تقابل کیا جائے۔ لیکن جو قیادتیں اقتدار کی لائن میں لگی ہوئی ہیں، اُن کے اور اہل اقتدار کے دیانت و امانت کے معیار میں انیس بیس یا اٹھارہ بیس کا فرق تو ہو سکتا ہے، پندرہ بیس کا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا: کہ شیخین کے عہد خلافت میں امن اور عافیت کا دور دورہ تھا، اسلام کی فتوحات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری و ساری تھا، مگر آپ کے عہد میں انتشار ہے، فساد ہے، مسلمانوں کی آپس میں آویزش جاری ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اُن کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو“، یہ روایت علامہ طبری نے بھی ”الاحتجاج من اقوالہ“ میں درج کی ہے۔ سو کسی کا اپنی ذات میں بے داغ ہونا کافی نہیں، اخلاقی ساکھ کے لیے ان کی پوری ٹیم کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ مذہبی سیاسی قیادت کے پاس کسی کا دم چھلّا بن کر احتجاج اور انار کی پھیلائے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے، لیکن قیادت کی زمام اقتدار اُن کے ہاتھ میں نہیں آ سکتی۔ ممکن ہے کہ اقتدار کی دوڑ میں شریک و متحارب قوتوں کے درمیان کسی ایک کے پلڑے میں وزن ڈال کر یہ فیصلہ گن کردار ادا کر سکیں، لیکن تب بھی مسند اقتدار کسی اور کے پاس ہی رہے گی اور ان کی حیثیت شامل باجا کی ہوگی۔ المیہ یہ ہے کہ کسی حساس مذہبی مسئلے کی مخالفت میں تمام لبرل قوتیں یک جا ہو جاتی ہیں، لیکن مذہبی قوتوں کا اتحاد پھر بھی دشوار ہوتا ہے۔